اماراتی، اسرائیلی تعلقات کا مذموم سفر

افتخار گیلانی

امریکی صدر ٹرمپ کی ایما پر متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کو تسلیم کرکے باضابطہ سفارتی تعلقات قائم کرکے بین الاقوامی سیاست میں دھما کا تو کر دیا، مگر یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ امارات کو اس طرح کا قدم اٹھانے کی آخر ضرورت کیوں پیش آئی؟ اسرائیلی اخبار ھاریٹز کے مدیر زیوی بارِل کے مطابق مصر اور اردن کے برعکس امارات کو امریکی امداد کی اور نہ کسی ایسی ٹکنالوجی کی ضرورت تھی، کہ جسے وہ آزادانہ طور پر پیسوں سے خرید نہ سکتا تھا۔ حال ہی میں یمن کی جنگ سے تنگ آکر امارات نے سعودی اتحاد سے کنارہ کشی کرکے ایران کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اسی دوران اسرائیل کو تسلیم کرکے اس نے ایک قدم آگے اور دو قدم پیچھے والی پالیسی اختیار کرکے دوبارہ ایران کے ساتھ ایک طرح سے کشیدگی مول لے لی ہے۔

۱۳/اگست کو اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان طے پائے گئے معاہدے کے بعد جو مشترکہ بیان جاری ہوا ہے، اس کا تجزیہ کرکے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے خالق بڑی عجلت میں تھے۔ بیان میں مشرق وسطیٰ کے اصل تنازع فلسطین کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ بس زبانی بتایا گیا ہے کہ اسرائیل مغربی کنارہ اور وادی اردن کو ضم کرنے کی پالیسی پر نظرثانی کرے گا۔ یہ خوش فہمی چند گھنٹوں کے بعد ہی اسرائیلی وزیراعظم بنیامن نیتن یاہو نے یہ کہہ کر دور کردی: ''اس طرح کی کوئی یقین دہانی نہیں دی گئی ہے''۔ اس میں سابق سعودی فرماں روا کنگ عبداللہ کے فارمولے کا بھی ذکر نہیں ہے، جس کو عرب لیگ نے ۲۰۰۲ء میں منظور کرکے رکن ممالک کو تاکید کی تھی کہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے اس فارمولا کے اطلاق اور تعلقات کو اس کے

ساتھ مشروط کیا جائے ۔ اس بیان میں فلسطینی اور اسرائیلی راہنماؤں کے درمیان طے پائے گئے اوسلو معاہدے کے مندرجات کو لاگو کرنے کی بھی کوئی یقین دہانی نہیں ہے۔ تاہم، بین السطور اسرائیل نے یہ وعدہ ضرور کیا ہے کہ یروشلم یا القدس شہر کی عبادت گاہوں ،بشمول مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرا کو دنیا بھر کے 'پُرامن' مسلم زائرین کے لیے کھولا جائے گا''۔ مگر چونکہ زائرین کو اسرائیلی امیگریشن سے گزرنا ہوگا، اس لیے اسرائیلی ویزا اور اجازت کی بھی ضرورت پڑے گی اور صرف انھی ممالک کے مسلمان زیارت کے لیے آسکیں گے، جو اسرائیل کو تسلیم کرتے ہوں گے۔ اور پھر اسرائیلی سفارت خانے کو حق حاصل ہوگا کہ 'پُرامن' کی اصطلاح کی اپنی تشریح سے اجازت دے یا درخواست مسترد کر دے۔

باوثوق ذرائع کے مطابق امارات اور اسرائیل کے درمیان خفیہ تعلقات کا آغاز اصل میں ۲۰۰۸ء میں اس وقت ہوا تھا، جب اقوام متحدہ نے بین الاقوامی تجدید توانائی ایجنسی کے صدر دفتر کو ابوظہبی کے پاس مصدر شہر میں قائم کرنے کی منظوری دے دی۔ اقوام متحدہ کی ذیلی ایجنسی کے بظاہر ایک بے ضرر سے دفتر نے ،جس کا سیاست کے ساتھ دور دور تک کا واسطہ بھی نہیں تھا، برسوں تک اسرائیل اور امارات کے افسران کو ملنے اور بیک چینل سفارت کاری کے لیے ایک نہایت عمدہ پردہ فراہم کیا۔ چونکہ اسرائیل بھی اس ایجنسی کا ممبر تھا، اس لیے تل ابیب کو انرجی کے حوالے سے اپنا ایک مستقل نمایندہ ابوظہبی میں تعینات کرنا پڑا۔ ۲۰۱۵ء میں اسرائیلی وزارت خارجہ کے ڈائرکٹر جنرل ڈور گولڈ کی قیادت میں ایک اسرائیلی وفد نے دوبئی کا دورہ علانیہ طور پر کیا۔ اسی لیے دونوں ملکوں نے بیانات دیے کہ اس دورے کا دونوں ملکوں کی سیاسی پوزیشن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ امارات کو اسرائیل اور امریکا میں یہودی لابی کی ضرورت کا احساس ۲۰۰۶ء میں اس وقت ہوا تھا، جب امارات کی دوبئی عالمی بندرگاہ نے چھے امریکی بندرگاہوں کا انتظام و انصرام سنبھالنے کے لیے ٹینڈر بھرا تھا۔ اس پر امریکی کانگریس میں خاصا ہنگامہ برپا ہوا۔ کئی کانگریس اراکین نے نیویارک ، بالٹی مور اور میامی جیسی حساس بندرگاہیں کسی عرب کمپنی کو دینے کی بھرپور مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے اتحادیوں کی سلامتی خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ گو کہ امارات نے ٹینڈر واپس لے لیا، مگر یہ اس کے حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ تھا کہ آخر

امریکی اتحادی ہونے اور خلیج میں اس کو پوری سہولیات دینے کے باوجود امریکی کانگریس اور انتظامیہ میں اس قدر بدگمانی کیوں ہے؟ انھی دنوں امارات نے اقوام متحدہ کی نئی قائم شدہ قابلِ تجدید توانائی ایجنسی، یعنی IRENA کے صدر دفتر کو ابوظہبی میں قائم کرنے کی پیش کش کی تھی۔ مگر اب خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ امریکی کانگریس کے اراکین ایجنسی کے صدر دفتر کو امارات میں قائم کرنے کی بھی مخالفت کر سکتے ہیں۔ یوں طے پایا کہ واشنگٹن میں کسی لابی فرم کی خدمات حاصل کی جائیں، جس نے بعد میں اماراتی حکمرانوں کا رابطہ امریکا میں طاقت وَر یہودی لابی، یعنی امریکین جیوش کمیٹی (AJC) سے کروایا۔

انھی دنوں بھارت نے بھی اسرائیل کی ایما پر اسی کمیٹی کی خدمات، امریکا کے ساتھ جوہری معاہدہ طے کرنے اور اس کو کانگریس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے حاصل کی تھیں۔ ۲۰۰۸ء میں امریکی کانگریس نے جوہری قانون میں ترمیم کرکے بھارت کے لیے جوہری ٹکنالوجی فراہم کرنے کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اے جے سی نے نہ صرف اقوام متحدہ کی ایجنسی کا صدر دفتر ابوظہبی میں کھولنے میں مدد کی، بلکہ ۲۰۰۹ء میں امریکی کانگریس سے امارات کو بھی جوہری ٹکنالوجی فراہم کروانے کے لیے 'بھارتی امریکی نیوکلیر ڈیل' کی طرز پر منظوری دلوانے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ جس کے بعد جنوبی کوریا کی ایک فرم کے اشتراک سے امارات نے ۳۰؍ارب ڈالر کے نیوکلیر پروگرام کی داغ بیل ڈالی، جو اَب تکمیل کے قریب ہے۔

وکی لیکس میں تل ابیب میں امریکی سفارت خانے کے سیاسی مشیر مارک سیورز کی ۲۰۰۹ء کی ایک کیبل کا تذکرہ ہے، جس میں وہ خلیجی ممالک اور اسرائیل کے درمیان خفیہ روابط کا انکشاف کر رہے ہیں۔ خاص طور پر اس کیبل میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی وزیر خارجہ زیپی لیونی اور امارت کے اس کے ہم منصب کی بند کمروں میں اکثر ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن ۲۰۱۰ء میں دونوں ممالک کے تعلقات کشیدہ ہوگئے، جب اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد نے دوبئی کے ایک ہوٹل میں حماس کے لیڈر محمود ال مابحوح کو قتل کر دیا۔ اسرائیلی صحافی لوسی ملمین کے مطابق اماراتی حکمران اس لیے ناراض ہوگئے۔ ان دنوں اسرائیلی سفارت کار برلوس کاشدان ابوظہبی میں مذاکرات میں مصروف تھے اور اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ موساد کا قاتل دستہ تلاشی وغیرہ سے بچنے کے لیے سفارت کار

وفد کے ساتھ ہی دوبئی وارد ہوا تھا۔ مگر امریکی کانگریس اراکین کی پذیرائی حاصل کرنے اور ٹکنالوجی کی خاطر اماراتی حکمرانوں نے یہ تلخ گھونٹ جلد پی لیا۔ ۲۰۱۶ء میں جب ڈونالڈ ٹرمپ کو ری پبلکن پارٹی نے صدارتی امیدوار نامزد کیا، تو ولی عہد محمد بن زید النہیان نے ٹرمپ کے یہودی داماد جیرالڈ کوشنر کے ساتھ انتخابات سے قبل ہی تعلقات استوار کر لیے تھے، حتیٰ کہ نیویارک میں کوشنر سے ملاقات کی خاطر ولی عہد اور ان کے بھائی عبداللہ بن زید نے امریکی صدر بارک اوباما کے ساتھ طے شدہ ملاقات منسوخ کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اماراتی ولی عہد نے ہی امریکیوں کو قائل کیا تھا کہ سعودی عرب میں محمد بن سلمان کی پشت پناہی کر کے محمد بن نائف کو ولی عہد کے عہدے سے معزول کرنے کے فیصلے کی حمایت کریں۔

اس طرح ۲۰۱۸ء تک اسرائیل کے کئی وزیروں نے امارات کے دورے کیے۔ اسی سال اسرائیلی وزیر خارجہ یسرائیل کارٹز بغیر پیشگی اطلاع کے ابوظہبی پہنچ گئے اور ایران کے خطرات سے اماراتی حکمرانوں کو آگاہ کرکے تعاون کی پیش کش کی۔ اسرائیل کے عبرانی زبان کے اخبار یسرائیل حایوم کے مطابق خود نیتن یاہو بھی اسرائیلی سیکورٹی کونسل کے سربراہ میئر بن شابات کے ہمراہ دوبار امارات کا خفیہ دورہ کرچکے ہیں۔ اس دوران امارات نے تیل تنصیبات کی سیکورٹی کے لیے اسرائیل کی ایک فرم اے جی ٹی انٹرنیشنل کو ۸۰۰ ملین ڈالر کا ٹھیکہ دے دیا۔ متحدہ امارات اور اسرائیل کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہونے سے اس خدشے کو تقویت پہنچتی ہے کہ عرب حکمران اپنے آپ کو کس قدر غیر محفوظ، غیر مستحکم اور کمزور محسوس کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ امریکا اور خطے میں اس کا قریب ترین اتحادی اسرائیل ہی ان کی بقا کا ضامن ہے۔ مگر بین الاقوامی سیاست اور تزویراتی حکمت عملی کے قواعد ہمیں یہی بتاتے ہیں کہ امریکا اور اسرائیل ان کی کمزوری کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر ان کو عوامی تحریکوں اور پڑوسیوں سے مزید خائف کرواکے اپنے مفادات کی تکمیل کریں گے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ عرب حکمران اپنے ضمیر اور عوام کی آواز پر لبیک کہہ کر پڑوسی اسلامی ممالک کے ساتھ اشتراک کی راہیں نکالتے۔ یوں اسرائیل اور امریکا کو مجبور کر کے فلسطینی مسئلے کا حل ڈھونڈ کر، خطے میں حقیقی اور دیرپا امن وامان قائم کروانے میں کردار ادا کرتے۔